حنفی نظریۂ استحسان اور عصری مسائل

سعید الرحمٰن

اسلام میں قانون سازی حقیقی عدل و انصاف پر قائم ہے، اس لیے یہ طبعی امر ہے کہ احکام الٰہی کے تمام اصول وضوابط اور ان کی فروعی تعلیمات میں یکسانیت اور ہم آہنگی، نیز ان احکام میں عملی نقطہ نظر سے بھی رضائے الٰہی اور انسان دوستی کی پوری پوری ضمانت موجود ہو، اس لیے اللہ تعالیٰ نے عدل اور احسان دونوں لفظوں کو ایک ساتھ استعمال فرمایا ہے: ان اللہ یامر بالعدل والاحسان[1] (یعنی اللہ تعالیٰ انصاف اور بھلائی کرنے کا حکم دیتا ہے)۔

عدل کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے ہم جنس کو نقصان نہ پہنچائے اور اس کے لیے بھی وہی چیز پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے، نیز سماجی معاملات میں خلوص وصداقت کو اپنا فرض منصبی تصور کرے، حقوق معاشرہ کی ادائیگی کے ضمن میں حسن سلوک، خیر خواہی، چشم پوشی، درگزر اور رواداری وغیرہ اوصاف خود بخود آ جاتے ہیں۔

عدل و انصاف کا قیام اور لوگوں میں ظلم کا انسداد اسلام کے اساسی مقاصد میں سے ہے۔ قرآن حکیم میں واضح طور پر انصاف کی پابندی کا مطالبہ کیا گیا ہے، ہر چیز اور ہر شخص سے اور تمام لوگوں کی نسبت حتیٰ کہ دشمنوں کے حوالے سے بھی، اور ہر شعبہ زندگی میں، خواہ سیاست ہو، انتظامی معاملات ہوں، مالی معاملات ہوں، تعلیمی امور ہوں یا عائلی مسائل ہوں۔ یہ آیات اسی

☆ الاصل بقاء ما کان علی ما کان۔ بنیادی طور پر جو چیز جس حالت پر ہو اسی پر باقی رہتی ہے ☆

بنیاد کے استحکام کی طرف توجہ دلاتی ہیں:

- **واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل**[2]
- **ولایجرمنکم شنآن قوم علی الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی**[3]
- **یاایھا الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شھداء للہ ولو علی انفسکم او الوالدین والاقربین**[4]

آسانی اور عدل کے حوالے سے، اسلامی شریعت کی خصوصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے علامہ ابن قیم کہتے ہیں:

> **ان الشریعة مبناھا واساسھا علی الحکم ومصالح العباد فی المعاش والمعاد ، وھی عدل کلھا، ورحمة کلھا ، ومصالح کلھا ، وحکمة کلھا، فکل مسالة خرجت عن العدل الی الجور ، وعن الرحمة الی ضدھا ، وعن المصلحة الی المفسدة ، وعن الحکمة الی العبث فلیست من الشریعة وان اُدخلت فیھا بالتاویل ، فالشریعة عدل اللہ بین عبادہ ، ورحمته بین خلقه، وظله فی ارضه ، وحکمته الدالة علیه، وعلی صدق رسوله صلی اللہ علیه وسلم اتم دلالة واصدقھا**[5]

(شریعت کی بنیاد اور اساس دنیا و آخرت میں حکمتوں اور بندوں کی بھلائی پر ہے، وہ تمام کی تمام عدل ہے، رحمت ہے، بھلائی ہے اور حکمت ہے، پس ہر وہ مسئلہ جو عدل سے ظلم کی طرف، رحمت سے اس کی ضد کی طرف، مصلحہ سے فساد کی طرف، حکمت سے عبث [بے مقصدیت] کی طرف نکل جائے تو اس کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں، اگرچہ اسے اس میں تاویل سے داخل بھی کر دیا جائے، پس شریعت اللہ کے بندوں کے مابین عدل ہے، اس کی مخلوق کے مابین اس کی رحمت ہے، اس زمین میں اس کا

سایہ ہے، اس کی اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر مکمل اور سچی دلالت کرنے والی حکمت ہے)۔

اسلام میں عدل کی اہمیت ''حق'' کے مفہوم سے واضح ہوتی ہے، جس پر تمام شریعت کا مدار ہے اور ''حق'' کا مفہوم درج ذیل وجوہ کی بنا پر ممتاز حیثیت رکھتا ہے:

۱۔ ''حق'' بیک وقت شخصی اور اجتماعی مفہوم کا حامل ہے۔ اس میں دوسرے، خواہ وہ فرد ہو یا معاشرہ، کا حق ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

۲۔ معاشرے کے حق پر ''حق اللہ'' کا اطلاق ہوتا ہے اور یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس کا فائدہ عام اور عظیم الشان ہے۔

۳۔ انفرادی اور اجتماعی حقوق کا اعتراف، مساوی طور پر انفرادی اور اجتماعی مصالح کو معتبر قرار دیتا ہے، کیونکہ حق ذریعہ ہے جس کا نتیجہ مصلحہ ہے۔

۴۔ دونوں قسم کی مصالح کا ملحوظ رکھنا عدل ہے، جس کا روبعمل آنا ضروری ہے۔

۵۔ انفرادی اور اجتماعی مصالح میں تضاد کے وقت مصلحہ عامہ کو ترجیح حاصل ہوگی، بشرطیکہ دونوں میں ہم آہنگی ناممکن ہو، کیونکہ عدل کا تقاضا ہے کہ انفرادی مصلحہ کو ملحوظ رکھنے کی خاطر بڑی مصلحہ کو ضائع نہ کر دیا جائے، یہ عقل اور دین کے مسلمات میں سے ہے۔

۶۔ حق کو اس طور پر استعمال کرنا ضروری ہے کہ وہ اس مصلحہ کی ادائیگی کا ذریعہ بنے جس کے لیے اسے مشروع قرار دیا گیا ہے، کیونکہ مصلحہ بذات خود شریعت میں معتبر ہے اور اسی بنا پر وہ عدل قرار دی جاتی ہے۔

۷۔ بنیادی طور پر جائز شخصی مصلحت، اس وقت ناجائز قرار پاتی ہے جب وہ حالات کے تحت ناجائز نتیجے تک پہنچنے کا ذریعہ بن جائے۔ اس صورت میں اس حکم پر عمل موقوف کر دیا جائے گا، تاوقتیکہ حالات تبدیل ہو جائیں، کیونکہ شرعی حکم کا مقصد، امت کی حقیقی مصلحت عامہ کی نمائندگی کرنے والے ''عدل'' کو اس کی قوی تر شکل میں ملحوظ رکھنا ہے[۲]۔

☆ لاثواب الا بالنیة ☆ ثواب کا دارومدار نیت پر ہے ☆ (فقہی ضابطہ)

تشریع و قانون سازی میں لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی یہ رحمت ہے کہ اس نے انفرادی مصالح اور اجتماعی مصالح کے مابین توازن کی حفاظت کو پیش نظر رکھا، چنانچہ شریعت نے جن چیزوں کو حلال یا انسانوں پر لازم قرار دیا ہے، وہ ان کے لیے سراسر سودمند ہیں یا ان میں فائدے کا پہلو نقصان کے پہلو سے زیادہ ہے، یا ان میں انسانوں کی اکثریت کا مفاد ملحوظ خاطر ہے۔ اسی طرح شریعت نے جن چیزوں کو حرام یا مکروہ قرار دیا ہے، وہ بالکل ضرر رساں ہیں، یا ان میں ضرر کا پہلو فائدے کے پہلو سے زیادہ ہے، یا ان میں انسانی اکثریت کا ضرر پوشیدہ ہے۔

قرآن حکیم میں اسلامی شریعت کی نمائندہ آخری اور کامل شخصیت کی شناخت اس طرح کرائی گئی ہے:

> **الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل یامرھم بالمعروف وینھاھم عن المنکر ویحل لھم الطیبات ویحرم علھم الخبائث ویضع عنھم اصرھم والا غلال التی کانت علیھم** ۷۔ (وہ اس رسول کی پیروی کرتے ہیں جو نبی امی ہے جس کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ ان کو معروف کا حکم دیتا ہے، منکر سے منع کرتا ہے، ان کے لیے پاکیزہ اشیاء کو حلال قرار دیتا ہے، اور ان پر خبیث اشیاء کو حرام قرار دیتا ہے اور ان سے ان کے بوجھ اور ان پر عائد جکڑ بندیاں اتارتا ہے)۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ شریعت کے احکام عقل اور صحیح قیاس کے مطابق اور حکمت و مصلحت پر مبنی ہیں، تاہم اگر کسی حکم کی حکمت تک ذہن کی رسائی نہ ہو سکے تو یہ اس امر کی علامت نہیں کہ وہاں کوئی حکمت یا مصلحت مقصود نہیں ہے، بلکہ بہت ممکن ہے کہ اس میں یہ حکمت مضمر ہو کہ اللہ تعالیٰ، اپنی اطاعت اور تعمیل حکم کا امتحان لینا چاہتا ہے۔

تاہم وہ احکام جن میں واضح طور پر کوئی شرعی نص موجود نہیں اور وہ اجتہاد و استنباط پر مبنی ہیں، بذات خود اس بات کی دلیل ہیں کہ شریعت نے احکام اخذ کرنے میں عقل اور رائے کے استعمال کی

حوصلہ افزائی کی ہے، تاکہ مصلحہ کا حصول اور مفسدہ کا سد باب ممکن ہو سکے۔

امام غزالی کہتے ہیں:

العقل لن یهتدی الا بالشرع ، والشرع لم یتبین الا بالعقل ، فالعقل کالاساس ، والشرع کالبناء ولم یغن اساس ما لم یکن بناء ولن یثبت بناء ما لم یکن اساس ، العقل کالبصر، والشرع کالشعاع ، ولن یغنی بصر ما لم یکن شعاع من خارج ، ولن یغنی الشعاع ما لم یکن البصر ، العقل کالسراج ، والشرع کالزیت الذی یمده ، فما لم یکن زیت لم یحصل سراج ، وما لم یکن سراج لم یضیٔ زیت۔

الشرع عقل من خارج والعقل شرع من داخل ، وهما متعاضدان بل متحدان ، ولکون الشرع عقلا من خارج سلب الله تعالی اسم العقل عن الکافر فی غیر موضع من القرآن نحو قوله تعالی: (صم بکم عمی فهم لایعقلون) ولکن العقل شرع من داخل • قال الله تعالی فی صفة العقل: (فطرة الله التی فطر الناس علیها لا تبدیل لخلق الله، ذلک الدین القیم) فسمی العقل دینا ، ولکونهما متحدین قال الله تعالی: (نور علی نور) ای نور العقل ونور الشرع ۸ (عقل، شریعت کے بغیر ہدایت نہیں پاتی اور شریعت عقل کے بغیر واضح نہیں ہوتی، عقل بنیاد کی مانند ہے اور شریعت عمارت کی مانند، اور بنیاد عمارت کے بغیر کوئی فائدہ نہیں دیتی اور عمارت اساس کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی۔ عقل بینائی اور شریعت روشنی کی مانند ہے۔ بینائی کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی جبکہ باہر روشنی نہ ہو اور روشنی کوئی فائدہ نہیں دے سکتی جب تک بینائی نہ ہو۔ عقل چراغ کی مانند ہے اور شریعت اس تیل کی مانند ہے جو اسے تقویت دیتا ہے، جب تک تیل نہ ہو چراغ جل نہیں سکتا اور جب تک

چراغ نہ ہو، تیل روشنی نہیں کرسکتا)۔

(شریعت باہر سے عقل ہے اور عقل اندر سے شریعت ہے، اور یہ دونوں ایک دوسرے کے مددگار بلکہ دونوں متحد ہیں۔شریعت کے باہر سے عقل ہونے کے سبب اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ایک سے زائد مقامات پر کافر سے عقل کی نفی کی ہے، جیسے ارشادفرمایا: ''وہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، پس وہ عقل نہیں رکھتے، اور عقل اندر سے شریعت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے صفت عقل کے بارے میں کہا: 'اللہ کی بناوٹ جس پراس نے لوگوں کو پیدا کیا، اللہ کی پیدا کردہ چیز میں کوئی تبدیلی نہیں اور یہ پختہ دین ہے۔' تو عقل کو دین کا نام دیا اور ان دونوں کے متحد ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کہا: روشنی پر روشنی یعنی عقل کی روشنی اور شریعت کی روشنی)۔

مزید کہتے ہیں:

ان العقل المنزه عن الخبث والذى لا تشوبه عاطفة مريبة تدفع به الى هدم العقيدة يشبه العين السليمة من الآفات فى حين ان الشرع يشبه الشمس التى يغمر نورها الاشياء فيكسبها الوانها وتصبح رؤيتها ممكنا فلا العين وحدها تكفى ولا وجود للالوان الا اذا راتها الابصار ، وهكذا فان الرجل الذى يقبل على القرآن دون ان يستخدم عقله فى فهمه شبيه بمن يغمض عينيه حتى لا يرى هذا الضياء وعندئذ لايفترق عمن فقد بصره على سبيل الحقيقة ، اما من يعرض عن الشرع زاعما انه يستطيع الاعتماد على العقل وحده فهو يشبه من فسد طبعه فلم يستخدم عينيه فى ضياء النهار بل يصر عبثا على رؤية الاشياء فى ظلام دامس۹ (وہ عقل جو خباثت سے پاک ہو اور اس کے ساتھ ایسا شک آمیز جذبہ خلط ملط نہ ہو جو عقیدے کے منہدم ہونے کے باعث

ہو، آفات سے محفوظ آنکھ کی مانند ہے، جبکہ شریعت اس سورج کی مانند ہے جس کی روشنی تمام اشیاء کو لپیٹ میں لے لیتی ہے اور ان کو ان کے رنگ عطا کرتی ہے اور ان کے دیکھنے کو ایک ممکن امر بنا دیتی ہے، تو نہ محض آنکھ کافی ہے اور نہ رنگوں کا وجود، الا یہ کہ انہیں نگاہیں دیکھ لیں۔ اسی طرح وہ شخص جو قرآن کی جانب، اس کے فہم میں عقل کے استعمال کے بغیر متوجہ ہوتا ہے، اس شخص کی طرح ہے جو اپنی آنکھیں بند کر لے، یہاں تک کہ اس روشنی کو نہ دیکھ پائے اور اس وقت اس کا ایسے شخص سے کوئی امتیاز نہیں جو واقعتاً بینائی سے محروم ہو چکا ہو۔ اور جو شخص اس زعم میں شریعت سے اعراض کرتا ہے کہ وہ صرف عقل پر اعتماد کر سکتا ہے تو وہ اس شخص کی مانند ہے جس کی طبیعت خراب ہو جائے اور وہ دن کی روشنی میں آنکھیں استعمال نہ کرے، بلکہ گہرے اندھیرے میں چیزیں دیکھنے پر بلا وجہ اصرار کرے)۔

جب اللہ تعالیٰ نے زمین پر اسلامی شریعت کو نازل کیا ہے، اس کے اصول میں ایسی بنیادیں رکھ دی ہیں جو غور و فکر کی دعوت دیتی ہیں اور ایسے احکام ہیں جو تشریع میں عدل اور مصلحہ کی بنیادیں قائم کرتے ہیں اور انسانی عقل جو اس قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر ایمان رکھتی ہے اپنی اس بھرپور کوشش میں مسلسل مصروف رہی ہے کہ وہ قرآن حکیم اور وحی الٰہی کے حقائق کو منظر عام پر لے کر آئے۔

قرآن حکیم نے خود حریت فکر اور تدبر کے لیے راستہ کھولا ہے، تاکہ نصوص کو سمجھ کر ان کے معانی کی گہرائیوں سے مقاصد اور اہداف تک رسائی حاصل کی جا سکے۔ قرآنی آیات، غور و فکر اور تدبر و تذکر کی اہمیت سے بار بار آگاہ کرتی ہیں، مثلاً:

- **کتاب انزلناه الیک مبارک لیدبروا آیاته ولیتذکر اولو الالباب**[10]
- **افلایتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالها**[11]
- **افلا یتدبرون القرآن ولو کان من عند غیر الله لوجدوا فیه اختلافا**

کثیر [۱۲]

- انا انزلناہ قرآنا عربیا لعلکم تعقلون [۱۳]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف وحی الٰہی انسانوں تک پہنچائی اور اس کی توضیح وتفسیر کی، بلکہ ان امور کے بارے میں مستقل تشریع کی ذمہ داری بھی انجام دی جن کے بارے میں قرآن حکیم نے تفصیل بیان نہیں کی۔ اس طرح آپ نے اپنے صحابہ کے سامنے اجتہاد بالرای کے طریقے کی نشاندہی کی اور انہیں یہ راستہ اختیار کرنے کے لیے تیار کیا۔

اسی بنا پر زندگی کے تمام شعبوں سے واقفیت اور لوگوں کی تدبیر معاش کے لیے مختلف سرگرمیوں سے آگاہی اجتہاد بالرای میں اساسی حیثیت رکھتی ہے، پھر احکام کی تطبیق وتنفیذ کے نتائج میں غور وفکر، شریعت کے بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے۔ چنانچہ علامہ شاطبی کہتے ہیں:
النظر فی مآلات الافعال معتبر مقصود شرعا [۱۴]۔ (افعال کے نتائج پر غور وفکر شرعاً معتبر اور مقصود ہے۔)

واضح رہے اسلامی شریعت میں عدل، مصلحت، یسر، رفع حرج اور اعتدال کی عملی نوعیت کے قیام کے لیے غور وفکر اور اجتہاد بالرائے کے ذریعے جو مآخذ ومصادر وجود میں آئے ہیں، ان میں قیاس، استحسان اور استصلاح کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

قیاس اس چیز کا نام ہے کہ حکم میں مشترکہ علت کی بنیاد پر نص یا اجماع سے ثابت شدہ حکم واقعہ کے ساتھ ایسے مسئلے کا الحاق کیا جائے جس کے بارے میں کوئی نص یا اجماع وارد نہ ہوا ہو، جیسے حرمت میں کھجور وغیرہ کی نبیذ کو انگور کی شراب پر اس کی علت کی بنا پر قیاس کرنا کہ دونوں میں نشے کی کیفیت پائی جاتی ہے۔

استحسان اس چیز کا نام ہے کہ ایک دلیل کے حکم کو اس سے زیادہ قوی دلیل کی وجہ سے چھوڑ دیا جائے، جیسے عام نص یا قیاس سے خاص نص یا ایسے قیاس کی طرف رجوع کیا جائے جو علت کے دقیق اور ذہن سے دور ہونے کی بنا پر مخفی ہو، کیونکہ اس میں یا تو کسی مصلحت کی رعایت پیش نظر ہوتی

☆العادۃ محکمۃ ☆ عادت کو حکم بنایا گیا ہے یعنی فیصلہ عرف کے مطابق ہوگا

ہے یا کسی باعث فساد چیز کا دفعیہ مقصود ہوتا ہے، جیسے عقد استصناع کا جواز باوجود اس کے کہ عقد کے انعقاد کے وقت معقود علیہ معدوم ہے اور عمومی قواعد کے تحت معدوم کا عقد درست نہیں ہے۔

استصلاح میں مدار ایسے وصف کی موجودگی ہے جو حکم کی تشریع کے لیے مناسب ہو، اگرچہ شریعت نے اس کے قابل اعتبار ہونے یا لغو ہونے کے حوالے سے براہ راست کوئی تعرض نہ کیا ہو کہ وہاں زیر بحث مسئلے میں نہ کوئی نص ہو اور نہ اجماع ہو اور نہ قیاس جیسے حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے عہد ہائے خلافت میں جمع قرآن۔ اسی سے واضح ہوتا ہے کہ قیاس تو ان واقعات میں جاری ہوتا ہے جن کی نص یا اجماع کے حوالے سے کوئی نظیر یا ملتی جلتی چیز موجود ہو، جبکہ استحسان اس مسئلے میں جاری ہوتا ہے جس کی نظیر تو ہو، لیکن کسی قوی دلیل کے سبب اس کے حکم سے انحراف کیا گیا ہو۔ اور استصلاح کی تطبیق ایسے واقعے میں ہوتی ہے جس کی تشریع میں ایسی نظیر موجود نہ ہو جس پر قیاس کیا جاسکے، تاہم من جملہ مصلحت معتبر ہو[۱۵]۔

یہاں استحسان کو قانون اسلامی کے ماخذ کی حیثیت سے زیر بحث لانا مقصود ہے، تاکہ اسلام کے اصول عدل، مصلحہ، اعتدال اور غور و فکر کے اس نمائندہ ماخذ کے خدوخال واضح ہوسکیں۔ استحسان کو اجتہاد بالرائے پر مبنی مآخذ و مصادر پر یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس کے ذریعے شریعت کی عمومی نصوص و قواعد اور قیاس کے ظواہر کی پابندی سے پیدا شدہ مشکلات اور پیچیدگیوں کا حل شریعت کے معتبر مقاصد کے حوالے سے تلاش کیا جاتا ہے۔ یوں اس کی حیثیت قیاس (بشمول عمومی قواعد و نصوص) کے مصلح اور بدرقہ کی قرار پاتی ہے۔ اس لحاظ سے اسے قیاس پر ایک حوالے سے فوقیت کے علاوہ استصلاح کے اصول پر بھی ترجیح حاصل ہو جاتی ہے، کیونکہ استصلاح سے صرف ایسے مقامات پر کام لیا جاتا ہے جہاں شرعی نصوص اور ان کے الحاقات خاموش ہوں، بصورت دیگر نہیں، جبکہ استحسان عمومی نصوص اور قیاس میں بھی اپنا حسن کردار ادا کرتا ہے۔ یوں وہ اجتہادی مآخذ و مصادر میں انفرادیت کا حامل ہے اور اسلامی شریعت کی معاشرتی و معروضی حالات میں تطبیق کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

ماجاز لعذر بطل بزواله ☆ جس کا استعمال عذر کی وجہ سے جائز ہو عذر ختم ہوتے ہی جواز بھی ختم ہو جائے گا

گویا عمومی قواعد یا قیاس جلی کے حوالے سے انسانی ضرورتوں اور مصلحتوں پر مبنی مسائل حل کرنے کی صورت میں جب ایسے نتائج ظہور پذیر ہوں جو زمان و مکان کی تبدیلی، موقع و محل کے تنوع اور نت نئی ضرورتوں کی وجہ سے شریعت کے مسلمہ مقاصد سے مطابقت نہ رکھتے ہوں تو ایسی صورت میں ان مقاصد کو روبعمل لانے کے لیے شرعی دلائل کی روشنی میں عمومی قواعد سے ہٹ کر جو راستہ اختیار کیا جاتا ہے، وہ استحسان کہلاتا ہے، کیونکہ اس طرح شریعت کے مقاصد کے تحت نئے حکم کو ''حسن'' قرار دیا جاتا ہے کہ اس کے ذریعے فلاح و بہبود میں اضافہ اور مضرت کا دفعیہ ہو سکے اور یوں وہ حکم حکمت الٰہی کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائے۔ اس طرح مصادر شرعیہ (قرآن، سنت، اجماع اور قیاس) کے ظاہری الفاظ و اشکال کی پیروی کی بجائے شرعی دلائل (قرآن، سنت، اجماع، قیاس، ضرورت، مصلحہ، عرف وغیرہ) کی بنیاد پر مقاصد شریعت کی جستجو کرنا استحسان قرار پاتا ہے۔ استحسان نئے حالات میں عدل کو منظم کرنے کے لیے راہ تلاش کرتا اور قانون اور عدالتی عمل میں انصاف اور لچک کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ یہ قانون اور سماجی حقائق کے درمیان خلیج کو پاٹتا ہے۔ اس طرح قانون کی اصلاح و تجدید میں قابل ذکر صلاحیت کا حامل قرار پاتا ہے۔ ''استحسان اجتہاد کی ایک اہم شاخ ہے جو معاشرے کی بدلتی ہوئی ضروریات کے حوالے سے اسلامی قانون پر عملدرآمد میں ایک اہم کردار ادا کرتی ہے، استحسان اسلامی قانون کو، سہولت اور ترقی کی حوصلہ افزائی کے لیے ضروری اسباب مہیا کرتا ہے''۔[۱۶]

علامہ شاطبی کہتے ہیں کہ استحسان کا اصول، شرعی دلائل کے تقاضے سے خارج نہیں، تاہم وہ عام دلیل اور عام قیاس کے تقاضے پر انحصار کیے بغیر دلائل کے نتائج و اثرات، نیز ان پر مبنی احکام کے نتائج کی بابت غور و فکر کا نام ہے۔ ان کے اپنے الفاظ ہیں:

ان الاستحسان غیر خارج عن مقتضی الادلة، الا انه نظر الی لوازم الادلة ومآلاتها، کما انه نظر فی مآلات الاحکام من غیر اقتصار علی مقتضی الدلیل العام والقیاس العام[۱۷]۔ (استحسان شریعت کے مآخذ

سے ہٹ کر کوئی چیز نہیں۔ اس کی حیثیت مآ خذ شریعت کے تقاضوں اور نتائج پر غور و فکر کی ہے۔ اس میں احکام کے نتائج پر غور و فکر کیا جاتا ہے اور عمومی دلیل اور قیاس کی پابندی نہیں کی جاتی)۔

استحسان، حنفی فقہ میں

امام ابوحنیفہ اور ان کے مدرسہ فکر کے فقہاء نے طریقہ استحسان اور اس کی بنیاد پر استنباط مسائل کا سب سے زیادہ کام کیا اور قیاس ظاہر میں غلو کی وجہ سے مصلحت عامہ میں جب کوئی مشکل پیش آئی، استحسان کے ذریعے استنباط کر کے ان فقہاء نے انتہائی انصاف اور اعتدال پر مبنی مہارت فن کا ثبوت دیا۔ امام ابوحنیفہ کے شاگرد رشید امام محمد بن حسن شیبانی کہتے ہیں:

ان اصحابه كانوا ينازعونه المقاييس فاذا قال استحسن لم يلحق به احد [18] (امام ابوحنیفہ کے شاگرد، قیاسی معاملات میں ان کے ساتھ رد و قدح کرتے تھے، لیکن جب وہ کہہ دیتے کہ میں نے استحسان کیا ہے تو پھر اس تک کوئی نہ پہنچ پاتا)۔

اسی بنا پر امام محمد بن حسن نے استحسانی مسائل سے واقفیت کو دیگر معتبر دلائل کی طرح شرائط اجتہاد میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ ان کا قول ہے:

من كان عالما بالكتاب والسنة و بقول اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وبما استحسن فقهاء المسلمين وسعه ان يجتهد رايه فيما ابتلى به ويمضيه فى صلاته وصيامه وحجه وجميع ما امر به و نهى عنه [19]۔ (جو کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اقوال صحابہ رسول اور مسلم فقہاء کے استحسانی مسائل کا علم رکھنے والا ہو، اس کے لیے گنجائش ہے کہ وہ اپنی رائے سے ان معاملات میں اجتہاد کرے جو اسے درپیش ہوں اور نماز، روزہ،

حج اور تمام مامورات وممنوعات میں اس پر عمل کرے)

حنفی فقہاء نے استحسان کی تعریف دو انداز سے کی ہے:

اولاً: اس انداز سے کہ استحسان کی روح اور اس کا فلسفہ واضح ہو جائے۔ شمس الائمہ سرخسی نے استحسان کی اس زاویے سے کئی تعریفیں کی ہیں۔ ان کی رائے میں اس کا بنیادی مقصد لوگوں کو سہولت اور آسانی فراہم کرنا ہے اور قیاس کے ظاہر پر عمل کرنے سے پیدا شدہ سختی اور تنگی کا انسداد کرنا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

- **الاستحسان ترک القیاس والاخذ بما هو اوفق للناس** [۲۰] (استحسان، قیاس کو ترک کر کے اس حکم کو اخذ کرنا ہے جو لوگوں کے لیے زیادہ سازگار ہو)۔
- **الاخذ بالسماحة وابتغاء ما فيه الرحمة** (آسانی کو حاصل کرنا اور اس راستے کو تلاش کرنا جس میں رحمت ہو، استحسان ہے)۔
- **الاستحسان طلب السهولة فی الاحکام فیما یبتلی فیه الخاص والعام**۔ (ان احکامات میں جو خاص و عام سب کو پیش آتے ہیں ان میں آسانی تلاش کرنا استحسان ہے)۔
- **هو ترک العسر للیسر** (کہ آسانی حاصل کرنے کے لیے تنگی کو ترک کر دینا استحسان ہے)۔

ڈاکٹر مصطفیٰ الزرقانے استحسان کے بارے میں احناف کے نقطہ نظر کی ترجمانی یوں کی ہے:

التفات الی مقاصد الشریعة العامة فی ابتغاء الاصلح [۲۱] (زیادہ بہتر حکم کی تلاش میں شریعت کے عمومی مقاصد کو ملحوظ رکھنا استحسان ہے)۔

علامہ سرخسی نے استحسان کو دین کی ''اصل'' قرار دیا ہے کہ استحسان سے مقصود چونکہ قیاس کی تنگی کے مقابلے میں آسانی، سہولت، رحمت اور عام و خاص کے لیے زیادہ سازگار راستے کو تلاش کرنا ہوتا ہے اور یہی مقصود دین ہے، چنانچہ علامہ سرخسی نے اس حوالے سے ان نصوص سے

☆اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام☆جب حلال و حرام جمع ہو جائیں تو حرام غالب ہو گا☆

استدلال کیا ہے:۲۲

● ارشادخداوندی ہے: یرید الله بکم الیسر ولا یرید بکم العسر (اللہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے اور وہ تمہارے لیے تنگی کا ارادہ نہیں کرتا)۔

● رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما کو جب یمن روانہ کرنے لگے تو انہیں ہدایت کی: یسرا ولا تعسرا ، قربا ولا تنفرا (تم آسانی پیدا کرنا اور تنگی پیدا نہ کرنا، لوگوں کو دین کے قریب لانا اور انہیں دور نہ بھگانا)۔

● حدیث نبوی ہے:

> الا ان هذا الدین متین ، فاوغلوا فیه برفق ، ولاتبغضوا عباد الله عبادة الله فان المنبت لا ارضا قطع ولا ظهرا ابقی (جان لو، بلاشبہ یہ دین مضبوط ہے، اس میں نرمی سے داخل ہو، اور اللہ کے بندوں کو اللہ کی عبادت سے متنفر نہ کرو کہ [سواری کو تیز دوڑا کر اس کی کمر توڑ دینے والا اور] کٹ کر رہ جانے والا نہ تو مسافت طے کرتا ہے اور نہ سواری ہی بچا پاتا ہے)۔

ثانیاً: تعریف کے ذریعے استحسان کے خدوخال کو فقہی ضابطے کی صورت میں نمایاں کرنا ہے۔ اس حوالے سے شمس الائمہ سرخسی نے استحسان کی دو اقسام کا ذکر کرتے ہوئے ان کی جدا جدا تعریف بیان کی ہے ۲۳۔ پہلی قسم ان کے اپنے الفاظ میں یہ ہے:

> العمل بالاجتهاد وغالب الرای فی تقدیر ما جعله الشرع موکولا الی آرائنا (ان معاملات میں جن میں شریعت نے اندازہ ہماری آراء کے حوالے کر دیا، ان میں اجتہاد اور غالب رائے پر عمل کرنا)۔

قرآن حکیم نے ان طلاق یافتہ عورتوں کے بارے میں جنہیں رخصتی سے قبل طلاق ہو جائے اور ان کا مہر بھی مقرر نہ ہوا ہو، یہ حکم دیا ہے کہ ان کو معروف طریقے سے "متعہ" یعنی کپڑوں کا جوڑا دے دیا جائے۔ اس معاملے میں کپڑوں کی نوعیت اور مالیت کا تعین ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا گیا

ہے۔اب اس سلسلے میں صحیح اندازے تک پہنچنے کے لیے جو کوشش (اجتہاد) کی جائے گی،اس پر عملدرآمد استحسان کہلائے گا۔

دوسری قسم کوانہوں نے یوں بیان کیا ہے:

هو الدليل الذى يكون معارضا للقياس الظاهر الذي تسبق اليه الافهام قبل امعان التامل فيه ، وبعد امعان التامل فى حكم الحادثة وا شباهها من الاصول يظهر ان الدليل الذى عارضه فوقه فى القوة ، فان العمل به هو الواجب (یعنی استحسان وہ دلیل ہے جو ایسے قیاس ظاہر کے خلاف ہو جس کی جانب گہرے غور وفکر سے قبل ہی خیالات جاتے ہیں،لیکن درپیش مسئلے اوراس سے ملتے جلتے اصول میں گہرے غور وفکر سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ وہ دلیل جو اس کے خلاف ہے،وہ قوت میں اس (قیاس ظاہر) سے بڑھ کر ہے،تو ایسی صورت میں اس پر عمل کرنا ضروری ہے)۔

ابن امیرالحاج نے بھی اس سے ملتے جلتے الفاظ میں استحسان کی تعریف کی ہے:

انه اسم لدليل متفق عليه نصا كان او اجماعا اوضرورة او قياسا خفيا ، اذا وقع فى مقابلة قياس يسبق اليه الافهام حتى لايطلق على ما لا يقابل القياس الجلى [۲۴] (استحسان اس متفقہ دلیل کا نام ہے جو ایسے قیاس کے مقابلے پر آئے جس کی طرف سوچیں جلد منتقل ہوتی ہیں خواہ وہ نص ہو یا اجماع یا ضرورت یا قیاس خفی ہو،یہاں تک کہ اس کا اطلاق اس پر نہیں ہوتا جو قیاس جلی کے مقابلے پر نہ آئے)۔

اس تعریف کے بارے میں علامہ تفتازانی کہتے ہیں: **استقر عليه راى المتاخرين** [۲۵]۔

ایک خوبصورت اسلامی اصلاحی عوامی پرچہ
دارالعلوم قمرالاسلام کے سابق طلبہ کی کاوش
ماہنامہ کاروانِ قمر پڑھئے

استحسان کی ماخذی ومصدری حیثیت

استحسان، درپیش مسائل کے حل کے لیے اسلامی شریعت کے مصادر و مآ خذ میں سے ایک ہے۔ اس کی طرف اس وقت رجوع کیا جائے گا جب عموی احکام، عمومی نصوص یا قیاس کے ظاہر پر عمل کرنے سے مقاصد شریعت میں سے کوئی مقصد متاثر ہو رہا ہو، تو اس صورت میں متبادل شرعی دلیل پر عمل کر کے حکم اخذ کیا جائے گا۔

استحسان کے مصدر و ماخذ ہونے پر درج ذیل شواہد موجود ہیں:

۱۔ وہ نصوص و آ ثار جو یسر وسماحت، رفع حرج، رفع مشقت، تکلیف بقدر استطاعت اور اعتبار مآ ل وغیرہ جیسے اصول شریعت کو اجاگر کرتے ہیں، وہی درحقیقت بالواسطہ طور پر استحسان کی مشروعیت و حجیت کو بھی ثابت کرتے ہیں، کیونکہ استحسان انہی اصول کی تطبیق کا ایک اہم ماخذ ہے۔

چند متعلقہ آیات ملاحظہ ہوں:

- وماجعل عليكم فى الدين من حرج[۲۶]
- يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر[۲۷]
- لايكلف الله نفسا الا وسعها[۲۸]
- ولا تسبوا الذين يدعون من دون الله[۲۹]

۲۔ شریعت نے عام قواعد کے برعکس سلم، اجارہ، وصیہ، جعالہ، حوالہ، کفالہ، صلح، قرض اور مضاربہ جیسے عقود کی اجازت لوگوں کی حاجت وضرورت کی بنا پر دی ہے۔ ''بیع سلم'' میں عقد کے وقت ایک معدوم چیز پر معاملہ طے ہوتا ہے اور بیع معدوم جائز نہیں، لیکن چونکہ لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے کہ وہ اپنی زرعی پیداوار کو اس کے تیار ہونے سے قبل فروخت کر دیں تا کہ اس کی رقم کو اپنی معاشی ضروریات اور زرعی مقاصد کے لیے خرچ کر سکیں، اس لیے اس کی اجازت دی گئی۔

وصیت وارث کی ملکیت میں تصرف ہے، لیکن اس ضرورت کی بنا پر اجازت دی گئی کہ

☆عام کی تخصیص نیت کے ساتھ دیانۃ مقبول ہوتی ہے نہ کہ قضاء ☆

انسان اپنی کوتاہیوں کا تدارک کر سکے۔

جعالہ کسی مخصوص کام کی انجام دہی پر ایک متعین معاوضہ ادا کرنے کے وعدے کا نام ہے۔اس میں اگر چہ کام انجام دینے والا فرد نا معلوم ہوتا ہے، تاہم از راہ حاجت اس کی اجازت دی گئی ہے۔

حوالہ درحقیقت قرض کو قرض کے بدلے میں فروخت کرنا ہے جو درست نہیں، لیکن از راہ حاجت اس کی اجازت دی گئی ہے۔ **کفالہ** اصل مقروض کے علاوہ کسی اور پر ذمہ داری اور ضمان مقرر کرنے کا نام ہے جو درست نہیں، لیکن مقروض سے ضرر دور کرنے اور قرض خواہ کے مفاد میں اس کی اجازت دی گئی ہے۔

صلح حق میں کمی کرنے اور اس پر دوسرے کا مال غیر مشروع طریقے سے حاصل کرنے کا نام ہے، لیکن جھگڑے نمٹانے اور فریقین میں اصلاح کے لیے اس کی اجازت دی گئی ہے۔

قرض درحقیقت ادھار پر بیچنے کے معاملے کے مشابہ ہے کہ اس میں مال کی ایسے مال کے بدلے میں تملیک ہے جسے مستقبل میں ادا کیا جائے گا جس سے یہ معاملہ سود کے مشابہ ہو جاتا ہے، لیکن لوگوں کی ضرورت کے لیے اس کی اجازت دی گئی ہے، **مضاربہ** میں چونکہ عامل کو ملنے والا نفع مجہول ہے، اس لیے عام قواعد کے مطابق جائز نہیں، تاہم لوگوں کے مفاد میں اس کی اجازت دی گئی[۳۰]۔

یوں ان تمام عقود کا جواز استحسان کی حجیت کی دلیل ہے۔

۳۔ اسلام میں رخصتوں کی مشروعیت عام نصوص و قواعد سے ہٹ کر ہے جو اسلام میں آسانی و سہولت کے بنیادی اصول کی عملی دلیل اور استحسان کی حجیت کا ثبوت ہے۔ عربی لغت میں رخصت، آسانی اور سہولت کو کہتے ہیں، جبکہ علماء اصول فقہ نے اس کی تعریف یہ کی ہے:

ھی الاحکام التی شرعھا اللہ تعالی بناء علی اعذار الناس ، رعایة لحاجتھم مع بقاء السبب الموجب للحکم الاصلی[۳۱] (وہ احکام جنہیں

لوگوں کے اعذار کی بنیاد پر ان کی حاجت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اصل حکم کے متقاضی سبب کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مشروع قرار دیا ہے)۔

۴۔ وہ دلائل جو مصادر شریعت کی حجیت پر دلالت کرتے ہیں، کیونکہ استحسان اپنی سند میں انہی دلائل شرعیہ پر انحصار کرتا ہے۔

علامہ تفتازانی کہتے ہیں:

ھو حجة لان ثبوته بالدلائل التی ھی حجة اجماعا لانه اما بالاثر کالسلم والاجارة وبقاء الصوم فی النسیان، واما بالاجماع کالاستصناع واما بالضرورة کطھارة الحیاض والآبار، واما بالقیاس الخفی وامثلته کثیرة ۳۲ (استحسان حجت ہے کیونکہ وہ ان دلائل سے ثابت ہے۔ جن کی حجیت بالاجماع ثابت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ استحسان کی بنیاد یا تو حدیث ہے جیسے سلم و اجارہ اور روزے میں بھول کر کھانے پینے سے اس کا باقی رہنا، یا اجماع ہے جیسے استصناع، یا ضرورت وحاجت ہے جیسے کنوؤں اور تالابوں کے پانی کا پاک ہونا یا قیاس خفی ہے۔ اس کی مثالیں بے شمار ہیں)۔

ڈاکٹر زکی الدین شعبان نے اس دعویٰ کو خلاف واقع قرار دیا ہے کہ استحسان صرف حنفی مکتب فکر کی بنیاد ہے اور دیگر مکاتب فکر اس سے استدلال نہیں کرتے، بلکہ انہوں نے واضح کیا ہے کہ یہ اصل تمام ائمہ فقہ کے ہاں معتبر ہے، چنانچہ ان کے الفاظ ہیں:

المشھور فی کتب الاصول والجاری علی بعض الالسنة والاقلام ان الاستحسان اصل من اصول الحنفیة وانھم ھم الذین یاخذون به وان غیرھم من الفقھاء لم یاخذوا به، ولم یعتدوا به فی استنباط الاحکام، وھذا مخالف للواقع، لان الاستحسان معتبر عند جمیع الائمة ومن یتتبع الکتب الفقھیة فی المذاھب المختلفة یجدھا

مشحونة بالاحکام المبنية علی الاستحسان ۳۳(اصول فقہ کی کتابوں اور اہل قلم کی عبارتوں میں عام طور پر یہ تذکرہ ملتا ہے کہ استحسان صرف احناف کے ہاں ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے، دیگر فقہاء نے اسے ماخذ کے طور پر قبول نہیں کیا۔ یہ بات خلاف واقعہ ہے۔ استحسان عام فقہاء کے ہاں معتبر ہے۔ مختلف مکاتب فقہ کی کتب کا جائزہ لینے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ لاتعداد ایسے احکام موجود ہیں جن کی بنیاد استحسان ہے)۔

استحسان کی ضرورت بحیثیت مجموعی تین قسم کی صورتوں میں پیش آتی ہے: (۱) موقع و محل کا تعین، (۲) نئے مسائل کی تحقیق، (۳) دفع مشقت، ان تینوں صورتوں کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ حکم شرعی ایک قاعدے اور ضابطے کی صورت میں موجود ہے، لیکن اس کے موقع و محل کے تعین کے لیے اجتہاد کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس مقام پر موقع و محل کی رعایت کرتے ہوئے اس قاعدے کی عملی شکل متعین کرنا، استحسان ہی کی ایک صورت ہوگا، مثلاً قرآن حکیم میں گواہوں کی صفت عدالت کا ذکر کیا گیا ہے: ''**واشهدوا ذوی عدل منكم**'' ۳۴۔

صفت عدالت کا موقع و محل کے حوالے سے تعین کرنا ضروری ہے، تاکہ لوگوں کو انہیں درپیش معاملات میں رہنمائی حاصل ہو۔

چنانچہ عدالت کا ایک مفہوم یہ ہے: **هی ملكة تحمل علی ملازمة التقوی والمروءة** ۳۵ (یہ ایسی صلاحیت ہے جو انسان کو تقویٰ اور مروت کو اختیار کرنے پر آمادہ کرتی ہے)۔

مروت سے مراد پست اقوال و افعال اور ان امور سے نفس کی حفاظت ہے جو معاشرے میں باعث عار سمجھے جاتے ہیں۔ عدالت کی اس تعریف اور معروضی حالات کی روشنی میں کم از کم وہ معیار مقرر کرنا جس کی رو سے معاملات میں گواہوں کی گواہی قابل قبول ہو استحسان کہلائے گا۔ اس قسم کے امور استحسان بالعرف کے ذیل میں آتے ہیں۔

☆ لاثواب الا بالنية ☆ ثواب کا دارومدار نیت پر ہے ☆ (فقہی ضابطہ)

۲۔ نئے مسائل کے احکام دریافت کرنے کے عمل میں جب عام نظائر اور مشابہ احکام کے حوالے سے مطلوبہ رہنمائی نہ ملے تو اس صورت میں مصلحہ اور عدل کی بنیاد پر ان نظائر سے انحراف کرتے ہوئے ان مسائل کا حل تلاش کیا جائے گا۔ یہ صورت استحسان بالقیاس الخفی اور استحسان بالمصلحہ کہلاتی ہے۔

۳۔ بعض اوقات معروضی حالات، معاشرتی فساد یا طبعی اعذار کے سبب اصل حکم پر عمل دشوار ہو جاتا ہے، اس وقت کوئی ایسی صورت تلاش کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے جس میں حکم کا احترام قائم رکھتے ہوئے سہولت کی راہ نکالی جاسکے۔ اگر اس صورت میں شارع کی طرف سے اصل حکم کی کوئی متبادل نوعیت نہ ہو تو اجتہاد کے ذریعہ دفع مشقت کے پیش نظر احکام میں سہولت پیدا کی جائے گی، اور یہی استحسان کا مقصد ہے۔ اس قسم کو استحسان بالضرورۃ کا عنوان دیا جاتا ہے۔

الغرض شرعی احکام کی تطبیق اور موقع و محل متعین کرنے، درپیش مسائل کی تحقیق اور موجود مسائل کے بقاو تسلسل میں عام ضوابط اور قیاس کے برعکس عدل، مصلحۃ (اوفق و اصلح للناس)، رحمت، تدبر و تفکر، یسر و سہولت اور رفع حرج جیسے عمومی مقاصد شریعت کی بنیاد پر فقیہانہ ترجیح (Juristic Preference) کو استحسان کہتے ہیں۔ (جاری ہے)

حواشی

۱- سورۃ النحل: ۹۰
۲- سورۃ النساء: ۱۵۸
۳- سورۃ المائدۃ: ۸
۴- سورۃ النساء: ۱۳۵
۵- ابن قیم الجوزیہ: اعلام الموقعین ج ۳، ص ۱۴
۶- فتحی الدرینی: المناھج الاصولیۃ فی الاجتھاد بالرای، ص ۲۰ و مابعد
۷- سورۃ الاعراف: ۱۵۷
۸- البری: الفقہ اساس التشریع، ص ۱۰۹
۹- ایضاً ص ۱۰۹، ۱۱۰
۱۰- سورۃ ص ۲۹

☆ الامور بمقاصدھا اعمال کے احکام ان کے مقاصد کے مطابق ہوتے ہیں ☆ (فقہی ضابطہ)

۱۱- سورۃ محمد:۲۴

۱۲- سورۃ النساء:۸۲

۱۳- سورۃ یوسف:۲

۱۴- شاطبی: الموافقات ج۲،ص۳۵۷

۱۵- زحیلی: اصول الفقه الاسلامی ج۲،ص۷۴۰

۱۶- Kamali , Principles of Islamic Jurisprudence p .310

۱۷- شاطبی:الموافقات ج۴،ص۲۰۹

۱۸- شیبانی کتاب الاصل ج۱،ص۲۹۸

۱۹۔ حسن الخضناوی: الاستحسان تعریفه و حجیته،ص۶۵۳

۲۰- سرخسی: المبسوط ج۱۰،ص۱۴۵

۲۱- مصطفیٰ الزرقا: المدخل الفقهی العام،ص۱۳۰

۲۲- سرخسی: المبسوط ج۱۰،ص۱۴۵

۲۳- سرخسی: تمهید الفصول ج۲،ص۲۰۰

۲۴- ابن امیر الحاج:التقریر والتحبیر ج۳،ص۲۲۳

۲۵- تفتازانی: حاشیة علی شرح العضد ص۳۷۹

۲۶- سورۃ الحج:۷۸

۲۷- سورۃ البقرۃ:۱۸۵

۲۸- سورۃ البقرۃ:۲۸۶

۲۹- سورۃ الانعام:۱۰۸

۳۰- زحیلی :نظریة الضرورة الشرعیة ص۲۵۷،۲۵۸

۳۱- ابن قدامہ: روضة الناظر وجنة المناظر ج۱،ص۱۷۲،السبکی ولبنہ: الابهاج ج۱،ص۵۱

۳۲- تفتازانی: حاشیته علی شرح العضد ص۳۸۹

۳۳- زکی الدین شعبان: اصول الفقه الاسلامی ص۱۶۶

۳۴- سورۃ الطلاق:۲

۳۵- شاطبی: الموافقات ج۴،ص۹۰

☆الیقین لا یزول بالشک ☆ یقین شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوتا ☆ (فقہی ضابطہ)